© rasailojaraid.com

کردار سازی اور اصلاح معاشرہ

تعلیمات نبوی ؐ کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی ○

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا بنیادی مقصد انسانوں کی ہدایت و رہنمائی تھا۔ چونکہ آپؐ کی رسالت اور آپؐ کا پیام قیامت تک کے لوگوں کے لیے ہے' اس لیے آپؐ نے تعلیم و تربیت کے لیے ایسا طریق کار اختیار فرمایا جو تعمیر شخصیت اور کردار سازی کے لیے ہر دور میں ضروری ہے۔

معاشرے کی تعمیر و تشکیل' فرد کی اصلاح و تربیت کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کی اصلاح کا کام افراد کی بہتر تعلیم و تربیت کے ذریعے انجام دیا۔ آپؐ کے نظم تربیت اور کردار سازی کے اسلوب کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپؐ کی تین حیثیتوں معلم' داعی اور مربی کو ملحوظ رکھا جائے۔ رسول علیہ الصلوۃ والتسلیم کو ان تینوں حیثیتوں میں درجہ کمال حاصل تھا۔

معلم اعظم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے منہج تربیت کا غور سے مطالعہ کریں تو تین عناصر بہت نمایاں نظر آتے ہیں یعنی ایمان باللہ' اخلاق حسنہ اور عمل صالح کی تلقین۔ ان میں سرفہرست ذہنی اور فکری اصلاح کا عنصر ہے۔ آپؐ نے فکر اور قلب و دماغ کی اصلاح کا کام عقیدے کی تعلیم و تربیت سے فرمایا۔ اس لیے کہ افکار و تصورات' انسانی رویوں اور اخلاقی اقدار کا دار و مدار' عقائد کی صحیح تعلیم و تربیت پر موقوف ہے۔

ایمان باللّٰہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت' تعلیم اور تربیت تینوں کا آغاز توحید کی تعلیم سے فرمایا: یایھا الناس! قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ تفلحوا ' "اے لوگو! کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور خدا نہیں ہے' اسی میں تمھاری کامیابی ہے" (مسند احمد بن حنبل' ج ۵' ص ۳۷۱)۔

○ پروفیسر' شعبہ علوم اسلامیہ' اسلامیہ یونی ورسٹی' بہاولپور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکتب رسالتؐ کا پہلا درس، پہلی دعوت اور تربیت کا پہلا قدم توحید کا سبق تھا جسے آپؐ نے لوگوں کے دل و دماغ میں راسخ فرمایا۔ انسانی فکر کو شرک، بت پرستی اور توہم پرستی سے آزاد کرا کے صرف ذات وحدہ لاشریک سے وابستہ کیا۔ عبد و معبود کے درمیان ایک لازوال رشتہ قائم فرمایا کہ بندہ اپنے خالق حقیقی کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھیرائے، نہ ذات میں، نہ ان صفات میں جو اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں اور نہ ہی اس ذات کے لیے مخصوص حقوق میں۔ ان تینوں میں سے کسی ایک میں بھی شرک، ظلم عظیم ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ (لقمان ۳۱ : ۱۳) "یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے"۔ قرآن کریم نے شرک کو ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء ۴: ۴۸)، "اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا، اس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے"۔

توحید، رسالتؐ اور آخرت، یہ وہ تین بنیادی عقائد ہیں جنھیں تسلیم کر لینے سے انسان کی زندگی کا نقشہ بدل جاتا ہے۔ اپنی ذات اور کائنات کے بارے میں اس کا نقطہ نگاہ یکسر تبدیل ہو جاتا ہے۔ انھی عقائد کی تعلیم سے عبدیت کا شعور اجاگر ہوتا ہے۔ منصب خلافت و امامت کا آغاز بھی ایمان کے انھی تقاضوں کو پورا کرنے پر ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق کثرت سے احکام و اصول بیان ہوئے ہیں۔ بیان احکام کے اسلوب پر غور کریں تو صاف پتا چلتا ہے کہ جملہ احکام پر عمل کی اصل قوت کا سرچشمہ ایمان ہے۔ اسی لیے قرآن کریم جب عبادات و معاملات سے متعلق احکام کو بیان کرتا ہے تو بار بار عقیدہ اور ایمان کا ذکر ضرور کرتا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرہ میں تحویل قبلہ کے حکم کے ساتھ یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ علیم بذات الصدوْر ہے۔ وہ سینوں میں چھپے ہوئے رازوں کو بھی جانتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت کا اظہار، کہ اسے ہر چیز پر ہر وقت قدرت حاصل ہے (البقرہ ۲: ۱۴۸)۔ جہاد کا ذکر آیا تو غزوۂ بدر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اہل ایمان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسا کرنا چاہیے (ال عمرٰن ۳:۱۲۲)۔ سورۃ النساء میں معاشرتی زندگی کے متعلق احکام کا بیان ہے۔ ایک جگہ خواتین، ازواج، یتیموں اور وصیت وغیرہ کے احکام بیان کر کے عقیدے کی یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ: "جو کچھ زمین و آسمان میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کارساز ہے۔ وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور تمھاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے، اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے۔ جو شخص دنیا میں اپنے اعمال کی جزا کا طالب ہے تو اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا و آخرت دونوں جہاں کا اجر ہے، اور اللہ تعالیٰ سنتا اور دیکھتا ہے" (النساء ۴: ۱۳۲-۱۳۴)۔ قرآن کریم کا ہر جگہ یہی انداز ہے کہ احکام کے بیان کے ساتھ عقیدے کا حوالہ ضرور دیا گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ گویا احکام پر عمل در آمد کے لیے عقیدہ بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔

عقائد پر ایمان کا حقیقی مرکز قلب ہے۔ اسی لیے قلب کے تزکیے اور تربیت پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں کہ: "انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اگر وہ تندرست اور صحیح ہو تو سارا جسم تندرست رہتا ہے، اور جب وہ بگڑ جائے تو جسم کا سارا نظام بگڑ جاتا ہے، غور سے سن لو کہ گوشت کا وہ ٹکڑا قلب ہے" (بخاری، الجامع الصحیح، نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۹۶۱، ج ۱، ص ۱۳)۔

قلب کی اس مرکزی حیثیت ہی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تربیت و اصلاح قلب کی طرف خاص توجہ فرمائی۔ اسی لیے قرآن حکیم نے تزکیہ نفس کو منصب نبوت کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ قرار دیا ہے۔

لفظ "تزکیہ" میں دو مفہوم پائے جاتے ہیں۔ ایک، پاک و صاف کرنا اور دوسرے، نشوونما دینا۔ تزکیہ قلب کے پہلے مرحلے میں، قلب و دماغ کو ہر قسم کے برے عناصر سے پاک و صاف کرنا ضروری ہے۔ مثلاً غلط تصورات، توہم پرستی، حسد، کینہ، بغض، تکبر، شر و فتنہ اور کفر کی تمام آلودگیوں سے پاک و صاف کرنا وغیرہ۔ قرآن حکیم میں اس کے لیے "تطہیر" کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (التوبہ ۹: ۱۰۳) "ان کے اموال میں آپؐ صدقات وصول کیجیے اور اس کے ذریعے انھیں پاک و صاف کیجیے"۔

دوسرے مرحلے میں، ایمان و یقین، عزم و استقامت، اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اخلاص و محبت پیدا کرنا ہے۔ انھی اوصاف سے قلب کا نشوونما شروع ہوتا ہے۔ ان اوصاف کی تکمیل کے ساتھ مرد مومن تیسرے مرحلے میں داخل ہو جاتا ہے جو "مقام احسان" کہلاتا ہے۔ یہ وہ بلند تر مقام ہے جہاں سے عبدیت و انسانیت میں درجہ کمال کا آغاز ہوتا ہے۔

تزکیہ نفس سے قلب انسانی میں طاقت ور ضمیر اور معاصی و منکرات کے خلاف بھرپور قوت مدافعت پیدا ہوتی ہے۔ اسی سے نیتوں کی اصلاح ہوتی ہے اور قلب مومن نور الٰہی سے منور ہو جاتا ہے۔

معصیت اور منکر کے ارتکاب سے قلب پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے: "مومن جب کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے سبب اس کے دل پر ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے اور اس گناہ سے باز آ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیتا ہے تو قلب سے وہ داغ مٹ جاتا ہے اور دل صاف شفاف ہو جاتا ہے، لیکن اگر گناہوں میں اضافہ ہوتا رہے تو نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ گناہوں کی سیاہی سارے قلب پر پھیل جاتی ہے"۔ اسی کو (قرآن کریم) "زین" کہتا ہے، اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے: "ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر اپنے کرتوتوں کی وجہ سے زنگ چڑھ گیا ہے" (ابن ماجہ، السنن، مکتبہ احیا السنتہ النبویہ، سرگودھا، ۱۳۹۴ھ، ص ۳۲۳)۔ اس حدیث مبارک میں جرائم کی تاثیر بتائی گئی ہے کہ اگر انسان مسلسل برائی کا ارتکاب کرتا رہے تو اس کی بدبختی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ جرم و معصیت کا احساس کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو جاتا ہے، دل مسخ ہو جاتا ہے اور زنگ آلود ہو کر اس درجے کو پہنچ جاتا ہے کہ جہاں سے واپسی مشکل بلکہ بعض اوقات ناممکن ہو جاتی ہے۔ اسی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح تعبیر کیا ہے: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (البقرہ ۲:۷) "اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب تربیت ایسا تھا کہ عقیدہ و ایمان کی تعلیم کے ذریعے قلوب سے سیاہ داغ اور زنگ کے آثار کھرچ کھرچ کر صاف کر دیے جائیں اور ایمان کی حرارت پیدا کر کے قلوب کو ایسی زندگی عطا کی جائے جو انسان کو مسلسل ملکیت اور روحانیت کی طرف گامزن رکھے۔ عقیدے سے پیدا ہونے والی یہی قوت انسان کو عمل صالح پر آمادہ کرتی ہے۔ اس کے اندر نفس امارہ مرجھا کر نفس لوامہ کی صورت میں نئی زندگی پاتا ہے اور پھر ایمان و عمل صالح کے ذریعے نفس مطمئنہ کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب قلب انسانی کی چشمہ ایمان سے آبیاری ہوتی ہے تو قلبی ایمان سراسر عمل کے قالب میں ڈھل جاتا ہے۔ اس طرح ایمان اور عمل میں مکمل طور پر ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔

اخلاق حسنہ: کردار سازی میں دوسرا بنیادی عنصر فضائل اخلاق ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق اخلاق حسنہ ایمان ہی کا حصہ ہیں جنھیں ایمان سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ رسول اللہؐ سے بہت سی ایسی روایات موجود ہیں جو حسن خلق کو ایمان کا جز قرار دیتی ہیں۔ ایمان کے لازمی اثرات انسان کی ظاہری زندگی پر بھی ہوتے ہیں اور باطنی زندگی پر بھی۔ باطنی زندگی پر ایمان کے اثرات تزکیہ قلب کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور ظاہری زندگی پر مکارم اخلاق کی صورت میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں تربیت اخلاق بھی ایک فریضہ تھا۔ آپؐ کا ارشاد ہے: "میں تو بھیجا ہی اس لیے گیا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کی تکمیل کر دوں"۔ ایمان و اخلاق کا باہمی تعلق ان احادیث سے بہ خوبی واضح ہو جاتا ہے: "جس شخص میں امانت داری نہیں ہے اس کا کوئی ایمان نہیں، اور جو عہد کی پاس داری نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں" (مسند امام احمد بن حنبل، ج ۳، ص ۱۳۰-۱۵۴)۔ اسی طرح "وہ شخص تو مومن نہیں جو خود تو شکم سیر ہو کر کھائے اور اس کا قریبی پڑوسی بھوکا رہے" (مشکوٰۃ)۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: "قسم ہے اللہ تعالیٰ کی وہ شخص مومن نہیں، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی وہ شخص مومن نہیں، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی وہ شخص تو مومن نہیں"۔ صحابہ کرامؓ نے پریشان ہو کر پوچھا: یارسولؐ اللہ! یہ بدنصیب کون ہے جس کے لیے آپؐ قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ وہ مومن نہیں ہے۔ جواب میں آپؐ نے فرمایا: "یہ وہ شخص ہے جس کی ایذا رسانیوں سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں" (بخاری، ج ۲، ص ۸۸۹)۔ اس قسم کی بہت سی احادیث سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پتا چلتا ہے کہ ایمان اور اخلاق حسنہ لازم و ملزوم ہیں۔

پانچ بنیادی اخلاقی اصول :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو اخلاقیات کی تعلیم و تربیت کے ساتھ اخلاقی اصول و ضوابط کا ایک جامع نظام بھی عطا فرمایا۔ یہاں ان چند اخلاقی اصولوں کو بیان کیا جا رہا ہے جن پر اخلاقی نظام کا مدار ہے۔ کچھ اخلاقی اصول ایسے ہیں کہ جب ان پر عمل کیا جائے تو دیگر اخلاقی فضائل خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان میں پانچ اخلاقی اصول وہ ہیں جو "عبادات خمسہ قلبیہ" کہلاتے ہیں۔

۱۔ **اخلاص** : اخلاص ان اصولوں میں سرفہرست ہے جو انسانی فکر و نظر کی اصلاح کرتے ہیں۔ نیت کو درست کر کے قلب و دماغ میں پاکیزہ، مثبت اور تعمیری خیالات و تصورات کو پروان چڑھاتا ہے۔ یہ ایک ایسی صفت ہے جس کے ذریعے ایک طرف تعلق مع اللہ صحیح بنیادوں پر قائم ہوتا ہے تو دوسری طرف انسانوں کے باہمی تعلقات بھی ہر قسم کی آلودگی، غرض اور نمود و ریا سے پاک و صاف ہوتے ہیں۔

۲۔ **تقویٰ** : "عبادات خمسہ قلبیہ" میں دوسرا اصول تقویٰ ہے۔ تقویٰ ایک باطنی کیفیت کا نام ہے جو قلب مومن میں اللہ تعالیٰ کی شدید محبت اور دل و دماغ میں اس کی عظمت و کبریائی کے شعور سے پیدا ہوتی ہے۔ تقویٰ خوف کی اس کیفیت کا نام بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ غلبہ شوق و محبت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، اور جس کی وجہ سے قلب مومن میں یہ اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سے کوئی ایسا عمل صادر نہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب بن جائے۔ قرآن حکیم تقویٰ کی صفت کو زندگی کا بہترین زاد راہ قرار دیتا ہے۔ فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (البقرہ ۲: ۱۹۷)۔

۳۔ **شکر**: تیسرا اصول شکر ہے۔ یہ بھی "عبادات خمسہ قلبیہ" میں سے ایک اہم عبادت ہے۔ شکر کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ مومن کو دل کی گہرائی سے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا احساس ہو جو اسے قدم قدم پر حاصل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نعمتیں بہت کثرت کے ساتھ ہر فرد کو حاصل ہیں، اور اس طرح حاصل ہیں کہ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط (ابرٰھیم ۱۴: ۳۴) "اگر تم اللہ تعالیٰ کی صرف ایک نعمت (کے فوائد و منافع) کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے"۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی صحیح عظمت اور حصول نعمت کے شعور سے جو امتنان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے وہی شکر کہلاتی ہے۔ یہ احساس شکر ہی ہے کہ اہل ایمان بے اختیار اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور اپنے اس عمل میں فرحت و مسرت کی خاص کیفیت محسوس کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ میں جذبہ شکر کو خوب اچھی طرح اجاگر فرمایا تھا اور ان کی تربیت اس طرح فرمائی کہ وہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بن گئے تھے تو دوسری طرف انسانوں کے ساتھ بھی ان کا رویہ تشکرانہ تھا۔ آپؐ کی تعلیم یہ تھی کہ: "جو انسانوں کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شکرگزار نہیں' وہ اللہ کا بھی شکرگزار نہیں ہو سکتا" (مسند امام احمد بن حنبل ' دارالفکر' قاہرہ' ج ۲' ص ۲۵۸)۔

۴۔ صبر: چوتھا اصول صبر ہے۔ یہ صفت بہت سے کریمانہ اخلاق کی اساس ہے۔ صبر وہ باطنی قوت ہے جو انسان میں تحمل و بردباری' ضبط نفس اور ثابت قدمی پیدا کرتی ہے۔ امام غزالیؒ نے صبر کے مفہوم پر بہت لطیف بحث کی ہے۔ ان کے نزدیک صبر کبھی نفسانی خواہشات کے خلاف ڈٹ جانے اور ان کا مقابلہ کرنے کا نام ہے اور کبھی مصائب کے مقابلے میں قوت برداشت کا نام ہے۔ کبھی دولت مندی اور خوش حالی کی صورت میں اس کا اظہار بردباری' تحمل اور ضبط نفس کی صورت میں ہوتا ہے۔

۵۔ توکل: پانچواں اصول توکل ہے۔ قلبی عبادات میں اس صفت کا بہت بنیادی کردار ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ توکل پر عمل کرنا آسان نہیں' یہ اللہ تعالیٰ کے بہت مقرب بندوں کی صفت ہے۔ یہ صفت اس لیے مشکل ہے کہ اس کائنات کے امور میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے عمل دخل کو مانیں تو یہ توحید کے خلاف ہے' اور اگر تمام اسباب کو ختم کر دیں تو یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا ظاہری اسباب پر یا کسی ایک سبب پر بھی توکل نہ کر بیٹھے بلکہ ان تمام اسباب کے پیچھے جو مسبب الاسباب ہستی ہے صرف اس پر نظر رہنی چاہیے اور اسی ہستی پر توکل کرنا چاہیے۔ اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ اعلیٰ مقاصد کے لیے بھرپور جدوجہد کریں اور پھر اس کے نتائج اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ ط (الطلاق ۶۵: ۳)' "جو اللہ پر بھروسا کرے اس کے لیے وہ کافی ہے"۔

دیگر چار اخلاقی اصول وہ ہیں جو انسان کے ظاہر کی اصلاح کر کے تمام معاملات میں حسن و نکھار پیدا کرتے ہیں۔ یہ ایسی صفات ہیں جو باطن کی بھی اصلاح کرتی ہیں اور ظاہر کی بھی۔

صدق: صدق کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی فکر اور ارادے اور قول و فعل میں سچا ہو۔ اس کے عقیدے اور عمل میں کوئی تضاد نہ ہو۔ امام غزالیؒ نے صدق کی چھ قسمیں بیان کی ہیں: ا۔ نیت و ارادے میں صداقت ۲۔ قول میں صداقت ۳۔ عزم میں صداقت ۴۔ عزم کو پورا کرنے میں صداقت ۵۔ عمل میں صداقت اور ۶۔ دین داری کے مقامات میں صداقت۔

امانت: یہ اخلاقی صفت انسانوں کے درمیان باہمی معاملات میں بہت اہم اور بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ باہمی لین دین' عہد و پیمان اور فرائض و ذمہ داری میں مکمل طور پر دیانت داری اور امانت داری کا ثبوت دیں۔ امانت کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ اس میں وہ تمام عہد و پیمان شامل ہیں جو بندہ اپنے رب سے کرتا ہے۔ اسی طرح وہ عہد و پیمان اور معاہدات بھی شامل ہیں جو انسانوں میں باہمی رضامندی سے طے پاتے ہیں۔ اس لحاظ سے دین و شریعت بھی امانت ہے اور بقول امام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن تیمیہؒ ، تمام انتظامی، سیاسی اور معاشرتی عہدے اور ملازمتیں بھی امانت میں داخل ہیں۔ لہٰذا وہ تمام فرائض و ذمہ داریاں جو ان عہدوں کو قبول کرنے سے عائد ہوتی ہیں، سب امانت ہیں۔ امانت ہی وہ اخلاقی قدر ہے جو اہل ایمان میں وہ شعور اور احساس پیدا کرتی ہے جس کی بنا پر انسان اپنے تمام فرائض اور ذمہ داریوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صدق و امانت کا مظاہرہ حقوق اللہ میں بھی نظر آتا ہے اور حقوق العباد میں بھی۔ مکہ مکرمہ میں قبل از نبوت جب آپؐ نے تجارت میں حصہ لینا شروع کیا تو اہل مکہ نے ان دو نمایاں صفات کی بنا پر آپؐ کو "الصادق" اور "الامین" کے القاب سے نوازا۔ آپؐ کی عملی تعلیم بھی یہی تھی کہ اجتماعی زندگی میں صدق و امانت کا غلبہ ہونا چاہیے۔

ایثار: یہ بھی صدق و امانت کی طرح جامع الصفات ہے۔ ہمدردی اور سخاوت مل کر جب اعلیٰ درجے کو پہنچ جائیں تو ایثار کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ یہ قربانی کا وہ جذبہ ہے جو انسان دوسروں کی خاطر پیش کرتا ہے اور اس میں فرحت و خوشی محسوس کرتا ہے۔ قرآن کریم نے انصار کی تعریف کرتے ہوئے ان کی صفت ایثار کو اس طرح بیان فرمایا ہے: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط قف (الحشر ۵۹:۹)، "یہ لوگ اپنے اوپر (اپنے مہاجرین بھائیوں) کو مقدم رکھتے ہیں، خواہ خود تنگی میں ہی کیوں نہ ہوں"۔

تواضع: یہ وہ صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت اور اپنی معرفت یا معرفت نفس سے پیدا ہوتی ہے۔ اس سے ایک طرف اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کی عظیم الشان قدرت و جلال کا علم ہوتا ہے تو دوسری طرف اپنی کمزوریوں، کوتاہیوں، خامیوں اور نقائص کا۔ اس کے نتیجے میں انسان انتہائی عاجزی و انکساری کے ساتھ اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں جھک جاتا ہے، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی، رحم دلی اور نیاز مندی کے ساتھ پیش آتا ہے۔

تواضع کی صفت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب تکبر و غرور کے تمام مظاہر سے اپنے آپ کو پاک صاف کرلیا جائے۔ تکبر نام ہے حق کو ٹھکرانے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا جب کہ تواضع نام ہے حق کو قبول کرنے اور لوگوں کے ساتھ انکساری اور رحم دلی کے ساتھ پیش آنے کا۔ اسی چیز کا حکم قرآن حکیم میں دیا گیا ہے: وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الحجر ۱۵: ۸۸)، "اور اپنا بازو اہل ایمان کے لیے جھکا دو"۔ تواضع اللہ تعالیٰ کے مقرب اور خاص بندوں کی صفت ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نصیحت کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یاعائشہ! تواضعی فان اللہ عزوجل یحب المتواضعین ، "اے عائشہؓ! تواضع اختیار کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تواضع کرنے والوں سے محبت کرتا ہے" (کنز العمال ، ج ۳، ص ۱۱۳)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ان اخلاقی اقدار کا بہترین نمونہ تھی۔ یہی اوصاف آپؐ نے صحابہ کرامؓ میں پیدا فرمائے' اور یہی وہ اخلاقی اقدار ہیں جن کے بغیر ایک مہذب اور صالح معاشرے کا قیام ممکن نہیں۔

عمل صالح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نظم کردار سازی میں تیسرا بنیادی عنصر عمل صالح ہے۔ آپؐ نے خود اپنی زندگی کو رضائے الٰہی کے مطابق سراپا عمل میں ڈھال کر لوگوں کے لیے بہترین عمل کا نمونہ پیش فرمایا اور ساتھ ہی صحابہ کرامؓ کی انفرادی اور اجتماعی طور پر تربیت فرما کر انھیں عمل صالح کی شاہراہ پر گامزن فرمایا۔

شریعت نے عمل صالح کے معاملے میں انسان کو تاریکی میں نہیں چھوڑا کہ وہ خود اپنی عقل و حواس سے فیصلہ کرے اور یہ جاننے کی کوشش کرے کہ عمل صالح کیا ہے تاکہ اسے اختیار کرے' اور عمل فاسد کیا ہے کہ اس سے اجتناب کرے۔ قرآن و سنت میں خیر و شر' صلاح و فساد' سعادت و شقاوت اور معروف و منکر کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ان کے اصول و قواعد کا تعین بھی کیا گیا ہے اور ہر شعبہ زندگی میں نہ صرف عمل صالح کی وضاحت کر دی گئی ہے بلکہ اس کی عملی تشکیل کی جھلک بھی اسوہ رسول علیہ الصلوۃ والسلام میں دکھا دی ہے۔

پہلے جن دو عناصر یعنی عقائد اور اخلاق حسنہ کی تعلیم و تربیت کا ذکر کیا گیا ہے' ان کی صحیح تعلیم سے اعمال صالحہ کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے' اور شر کی صلاحیت کم ہو جانے کی وجہ سے اعمال فاسدہ کا امکان کم ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نظم تربیت میں اس بات کا بہت اہتمام ہوتا تھا کہ اعمال' اخلاق اور عقائد و افکار سے فساد کو ممکنہ حد تک ختم کر دیا جائے۔ اسی لیے آپؐ اعمال و احکام کے ساتھ بار بار توحید و آخرت کا ذکر فرماتے اور فضائل اخلاق کی نصیحت فرماتے تھے۔ عقیدہ و فکر کی اصلاح اور اخلاقی تربیت سے جس قسم کے اعمال کا داعیہ قلب مومن میں پیدا ہو گا وہ عقائد اور اخلاقی اقدار سے ہم آہنگ ہوں گے۔ ایسے ہی اعمال کو اعمال صالحہ کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں بہت کثرت کے ساتھ عمل صالح کا ذکر کیا گیا ہے اور صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہی عمل قبول ہو گا جو صالح ہو گا۔ قرآن کریم کے اسلوب بیان کا غور سے مطالعہ کریں تو یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ قبول ایمان کے بعد عمل صالح ہی مطلوب ہے۔ اس لیے کہ ایمان کا اظہار عمل بالجوارح سے ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے ایمان اور عمل صالح کو قرآن حکیم نے ایک ساتھ انہتر (۶۹) جگہ ذکر کیا ہے۔ ان میں صیغہ واحد کے ساتھ سولہ جگہ آیا ہے مثلاً مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ (المائدہ ۵: ۶۹) ''جو بھی اللہ اور روز آخر پر ایمان لائے گا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیک عمل کرے گا بے شک اس کے لیے نہ کسی خوف کا مقام ہے نہ رنج کا"۔ جمع کے صیغے کے ساتھ عام طور پر "آمنوا وعملوا الصٰلحٰت" کی ترکیب میں ترپن (۵۳) آیات میں ایمان و عمل صالح ایک ساتھ مذکور ہے۔ مثلاً وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ط (البقرہ ۲:۲۵)، "اے رسول ؐ: آپ ؐ بشارت دیجیے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنھوں نے عمل صالح اختیار کیا کہ ان کے لیے یقیناً باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی"۔

قرآن حکیم نے بار بار اس ترکیب کو دہرایا ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی ایک لازمی عنصر ہے۔ قبول ایمان کے ساتھ ہی عملی زندگی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ عمل کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بہت اہم ہے۔ آپ ؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نہ تمھاری صورتوں کو دیکھتا ہے نہ تمھارے نسبوں کو دیکھتا ہے، وہ تو تمھارے دلوں کو دیکھتا ہے اور تمھارے اعمال کو دیکھتا ہے" (مسلم، ج ۲، ص ۳۲۵)۔ گویا اصل بنیاد عمل ہے اسی پر کامیابی اور ناکامی کا دارومدار ہے۔

فرد اور معاشرہ دونوں کے لیے عمل صالح بہت ضروری ہے۔ اچھے اعمال کے بغیر اچھے معاشرے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ اعمال صالحہ کے لیے صالح تعلیم و تربیت بھی ضروری ہے جب کہ تعلیم و تربیت کا ہر فرد محتاج ہے۔ اگر لوگوں میں خیر کا جذبہ بیدار نہ کیا جائے اور شر و فساد کی برائی دل و دماغ میں نہ بٹھائی جائے اور تعلیم و تربیت کے وہ طریقے نہ اپنائے جائیں جو اصلاح و تربیت کے لیے ضروری ہیں تو برائی اور فساد کے پھیلنے کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے۔ تعلیم و تربیت میں بھی ہمیں اسوۂ رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے رہنمائی ملتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تربیتی نظام میں لوگوں کی نفسیات اور ان کی صلاحیت کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ تربیت کے سلسلے میں آپ ؐ کی بعض ہدایات تمام انسانوں کے لیے یکساں اہم اور مفید ہیں۔ ان میں سے ایک بنیادی ہدایت دعا کی تلقین ہے۔ اعمال صالحہ کی توفیق کے لیے رسول ؐ اللہ نے خود بھی دعا کی اور امت کو بھی دعا کی تعلیم دی۔ ایک ماثور دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں بنیادی عناصر کو جمع فرمایا۔ اس میں ایمان کا اظہار بھی ہے کہ دعا کی صورت میں بندۂ مومن اپنے رب پر یقین و ایمان کا اظہار کرتا ہے۔ آپ ؐ یہ دعا کثرت سے فرمایا کرتے تھے:

اللھم اھدنی لاحسن الاعمال لا یھدی لاحسنھا الا انت واعوذ بک من منکرات الاخلاق والاعمال والاھوا (النسائی السنن، المکتبہ السلفیہ، لاہور ۱۹۵۶، ج ۱، ص ۱۰۶)، "اے اللہ! مجھے بہترین اعمال کی طرف رہنمائی فرما، اور صرف تو ہی اچھے اعمال کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور اے اللہ! میں برے اخلاق، برے اعمال اور نفسانی خواہشات سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دعا کی تعلیم اس لیے دی گئی کہ اس کے ذریعے نیت کا اظہار بھی ہوتا ہے اور منزل کا تعین بھی۔ صرف سفر کا آغاز باقی رہتا ہے۔ نیت درست ہو جائے اور منزل کا تعین بھی ہو اور انسان منزل کی جانب قدم بڑھانا شروع کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نشان ہائے منزل بھی واضح کر دیتا ہے۔ رہا مسئلہ لوگوں کی صحیح تعلیم و تربیت کا' تو یہ ذمہ داری ہے والدین کی' اساتذہ کی' اہل علم و دانش کی' قائدین اور ارباب حل و عقد کی وہ اپنا اپنا کردار ادا کریں۔ ایمان' اخلاق اور اعمال صالحہ تین بنیادی ستون ہیں۔ تعلیم و تربیت میں تینوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہونا چاہیے۔ کردار سازی کے لیے یہی جامع نظام ہے اور یہی مکتب رسالتؐ کا نظم تربیت رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم ان تینوں عناصر کو اپنے اندر اور اپنے معاشرے میں پیدا کر سکیں۔

پیغام قرآن سیریز

خرم مرادؒ آپ کے دل پر دستک دیتے ہیں اور آپ کے رب کا پیغام آپ تک پہنچاتے ہیں۔

1- **قرآن کا پیغام** : امت مسلمہ کے لیے عروج و سربلندی کا ایک ہی راستہ ہے: رجوع الی اللہ اور اس کے لیے قرآن سے تعلق ناگزیر ہے۔
قرآن کا پیغام : آؤ قرآن کی طرف! ہدیہ فی عدد: 3/50 فی سیکڑہ : 250/

2- **عہد وفا اور وفائے عہد** : ایمان لا کر اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا ہے' اسے وفا کرنے کے کیا تقاضے ہیں؟
ہدیہ فی عدد : 4/50 فی سیکڑہ : -/300

3- **تربیت کی پہلی منزل** : سورۃ المزمل کے درس کے حوالے سے' اقامت دین کی جدوجہد میں مصروف آج کے لوگوں کے لیے کام کی باتیں
ہدیہ فی عدد -/6 فی سیکڑہ : -/400

4- **دعوت کے نشان راہ** : سورہ والضحیٰ کے درس کے حوالے سے رسولؐ اللہ آنے والے مراحل دعوت کا بیان اور آج امت مسلمہ کے لیے راہ نمائی
ہدیہ فی عدد : 4/50 فی سیکڑہ : -/300

زیادہ تعداد میں طلب کیجیے اور پھیلائیے اور اجر حاصل کیجیے

۱- **منشورات** : منصورہ' ملتان روڈ' لاہور ۵۴۵۷۰ فون : ۵۴۲۵۳۵۶
۲- **ڈیسنٹ بک پوائنٹ** : اے-۵۷' بلاک ۵' گلشن اقبال' کراچی فون : ۴۹۶۷۶۶۱
۳- **بک ٹریڈرز** : بلاک ۱۹' نصر چیمبرز' مرکز ایف سیون' اسلام آباد فون : ۸۲۳۰۹۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام ابو حنیفہؒ کے فقہی اصول

مولانا گوھر رحمٰن

دین اسلام واحد ہے اور امت مسلمہ امت واحدہ ہے۔ فقہاے اسلام و ائمہ مجتہدین کی حیثیت معلمین دین اور راہنمایان دین کی ہے جنھوں نے مسائل و نوازل (نو پیش آمدہ امور) کے احکام کے فہم و تفہیم کے لیے بحث و تحقیق اور اجتہاد و استنباط کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، جن کی بنا پر پوری امت ان کی ممنون ہے اور اللہ کے ہاں ان کے لیے ان شاء اللہ اجر غیر ممنون ہے۔ ان کی علمی و فقہی تحقیقات کی حیثیت مستقل مذاہب کی نہیں بلکہ قرآن و سنت کی تعبیرات و تشریحات کی ہے۔ ان کا فقہی اختلاف امت کی وحدت کے منافی نہیں ہے بلکہ شریعت کے محاسن میں شامل ہے، جیسا کہ قاضی ابن العربیؒ نے فرمایا ہے:

"ائمہ کا فروعی اختلاف شریعت کی خوبیوں میں شامل ہے" (احکام القرآن لابن العربی، ج ۱، ص ۳۸۲)۔

اس حقیقت کے پیش نظر مجتہدین کی اجتہادی آرا کو متوازی مذاہب کے طور پر پیش کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ ان کے اختلاف کو اختلاف تعبیر اور اختلاف تنوع کی حیثیت دینی چاہیے اور ان کی آرا متنوعہ کو فرقہ بندی اور عصبیت کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔ تمام فقہاے اسلام اور ائمہ مجتہدین ہمارے لیے واجب الاحترام ہیں اور ان کے مناقب و مباحث کا تذکرہ موجب برکت و سعادت ہے۔

فقہ کی حقیقت

امام ابو حنیفہؒ نہ صرف یہ کہ فقیہ تھے بلکہ امام الفقہا تھے۔ ہر فقیہ کے کچھ اصول ہوتے ہیں جن کو وہ اپنی تحقیق کے دوران مد نظر رکھتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے بھی فقہی اور اجتہادی اصول ہیں جن کو وہ تدوین فقہ کے دوران مد نظر رکھتے تھے۔ ان اصولوں کے بیان سے پہلے فقہ کی حقیقت بیان کرنا مناسب ہے۔

لفظ فقہ کے اصل لغوی معنی تو ہیں **الشق والفتح** یعنی پھاڑنا اور کھولنا۔ کسی چیز کو جاننے اور سمجھنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس سے پردہ اٹھایا جائے اور صحیح و غلط کو الگ الگ کر دیا جائے۔ اس مناسبت سے لفظ فقہ علم و فہم کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن اہل اسلام کے عرف میں علم دین اور علم شریعت کو فقہ کہتے ہیں۔ علامہ جار اللہ زمخشری (ف ۵۸۳ھ) لکھتے ہیں: "فقہ کے حقیقی معنی ہیں پھاڑنا اور کھولنا اور

شیخ الحدیث، الفرقان الجامعۃ الاسلامیہ، تفہیم...

© rasailojaraid.com